71 Nooh Makky Aayaath 28

سورۂ نوح

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۲۸) آیتیں ہیں

سورۂ نوح مکیہ ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت سورۃ نوح بمکۃ۔ (ابن الضریس، نحاس، ابن مردویہ، بیہقی) سورۂ نوحؑ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔" نیز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:۔ نزلت سورۃ انا ارسلنا نوحا بمکۃ۔ (ابن مردویہ) انا ارسلنا نوحا سے جس سورت کی ابتدا ہوئی ہے وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔" اس پر سب کا اتفاق ہے۔

ماقبل سے ربط سورۂ معارج میں ارشاد ہوا تھا:۔ انا لقادرون علی ان نبدّل خیرا منھم۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کو یہاں سے ہٹا کر انکی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لائیں۔" اس لئے یہ سورت، سورۂ معارج کے بعد لائی گئی جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ نافرمانی کی بنا پر پوری قوم غرق کردی گئی۔ اور دنیا از سر نو بسائی گئی۔ اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کو آدمؑ علیہ السلام ثانی کہا جاتا ہے کہ

بستی دنیا جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہے وہ جس طرح اولاد آدمؑ ہے اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد بھی ہے۔

دوسری مناسبت دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورۂ معارج جس کی ابتدا سَأَلَ سَآئِلٌ سے ہوئی ہے اس میں بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یہاں سائل سے حضرت نوحؑ مراد ہیں۔ اس لئے سورۂ معارج کے بعد سورت نوحؑ رکھی گئی تاکہ دلیل اور دعوے میں مطابقت ظاہر ہو جائے۔ نیز سورۂ معارج کا آغاز جس طرح کافروں کے عذاب اور عتاب سے ہوا ہے اسی طرح اس سورت شریفہ کی ابتدا بھی کافروں کی وعید سے ہوئی ہے۔

قوم نوحؑ پہلے بلائی جائیگی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان اللہ یدعو نوحا و قومہ یوم القیامۃ اول الناس فیقول ماذا اجبتم نوحا فیقولون ما دعانا وما بلّغنا وما نصحنا ولا امرنا ولا نھانا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کو سب سے پہلے بلا کر دریافت فرمائیگا کہ نوح تمہارے رسول بنکر آئے تھے تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ انھوں نے ہم کو کبھی نہیں بلایا۔ اور نہ ہم کو آپ کا کوئی پیام پہنچایا اور نہ کوئی نصیحت کی نہ تو کوئی حکم سنایا اور نہ کسی چیز سے

منع کیا"۔

حضرت نوحؑ کی شہادت حضور اکرمؐ دیں گے

فیقول نوح دعوتھم یارب دعاء فاشیا فی الاولین والآخرین امۃ بعد امۃ حتیٰ انتھی الی خاتم النبیین احمد فانتسخہ وقرأہ وآمن بہ وصدقہ فیقول للملائکۃ ادعوا احمد وامتہ۔ حضرت نوحؑ عرض کریں گے کہ پروردگار من! میں ان کو دعوت دیتا رہا جس کی پیشین گوئیاں اگلی امتوں میں ہو چکی تھیں نیز جنکی اطلاعات پچھلی امتوں کو بھی یکے بعد دیگرے ہوتی رہیں تا آنکہ خاتم النبیین احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی پہنچی انھوں نے اس کو لکھ رکھا۔ اور اس کو پڑھ سنایا اس کا یقین کیا اور اس کی تصدیق کی۔ یہ سن کر اللہ سبحانہ فرشتوں سے فرمائے گا کہ احمد اور آپ کی امت کو بلا لائیں"۔ چنانچہ اللہ سبحانہ کا یہ پیام حضرت ختمی مآب روحی فداہ کو پہنچایا جائے گا۔

حضرت نوحؑ کا خطاب حضور اکرمؐ اور امت مرحومہ سے

فیأتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ یسعی نورھم بین ایدیھم فیقول نوح لمحمد وامتہ ھل تعلمون انی بلغت قومی الرسالۃ واجتھدت لھم بالنصیحۃ وجھدت ان استنقذھم من النار سرا وجھرا فلم یزدھم دعائی الا فرارا۔

چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ کی امۃ مرحومہ بھی آپ کے ساتھ ہوگی جن کے آگے آگے نور دوڑتا ہوگا۔ اب حضرت نوح علیہ السلام حضور اکرم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امۃ مرحومہ سے مخاطب ہوں گے کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کو اللہ سبحانہ کا پیام پہنچایا اور ان کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور پوری کوشش کی کہ ان کو دوزخ سے نکال لاؤں۔ یہ سب کچھ در پردہ بھی کیا اور علی الاعلان بھی۔ مگر یہ سُن سُن کر انھوں نے راہ فرار اختیار کی؟ اور میری ایک نہ مانی؟

حضور اکرم اور امتہ مرحومہ کا جواب فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ فانا نشھد بما نشدتنا الیک فی جمیع ما قلت من الصادقین۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امۃ مرحومہ کہیگی۔ آپ نے ہم سے جس امر کا مطالبہ فرمایا اس کی نسبت ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس تمام تقریر میں آپ صادقین سے ہیں"

قوم نوحؑ کا معارضہ فیقول قوم نوح وانی علمت ھذا انت وامتک ونحن اول الامم وانتم آخر الامم۔ اس پر قوم نوح معترض ہوگی کہ آپ کو اور آپ کی امت کو یہ سب کہاں سے معلوم ہوگیا؟ درحالیکہ ہم اس امۃ کے اگلے لوگوں میں

شامل ہیں اور آپ سب ہمارے بعد آئے ہیں "

حضور اکرم اور امتہ مرحومہ کی شہادت فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم انا ارسلنا نوحا الی قومہ حتی ختم السورۃ فاذا ختمہا قالت امتہ نشھد ان ھذا لھوا لقصص الحق وما من الہ الا اللہ وان اللہ لھو العزیز الحکیم ۔ اس نوبت پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ نوح پورا پڑھ کر سنا دیں گے جب آپ اس کی تلاوت ختم فرمائینگے تو آپ کی امتہ مرحومہ گواہی دیگی کہ یہ واقعہ (جس میں حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجنے اور آپ کی تبلیغ اور قوم کے انکار وغیرہ کی تفصیل ہے) یقیناً حق ہے اور اللہ سبحانہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں بیشک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے "

باری تعالیٰ کا فیصلہ فیقول اللہ عند ذلک وامتازوا الیوم ایھا المجرمون ۔ (حاکم) اس نوبت پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا :- اے مجرم قوم! تم سب یہاں سے الگ ہو کر دور جا ٹھہرو "

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے "

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے نام سے متعلق مفسرین کرام کے اقوال ہیں بعض فرماتے ہیں کہ یہ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ کسی نے سریانی لکھا ہے جس کے معنی "ساکن" یعنی سکون والا ہیں، یہ اس لئے کہ آپ کی بدولت ساری زمین کو کفار کی شرارتوں سے سکون نصیب ہوا۔ کوئی کہتے ہیں کہ آپ کا اصلی نام عبد الغفار تھا۔ کثرت نوحہ وزاری کی وجہ سے نوح کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مستدرک حاکم میں ایسی ایک روایت بھی ہے مگر قول اول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:۔ نُوح بن لَمَلَك بن مَتُّوشَلَخ بن خَنُوخ (مشہورا خنوخ، آپ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں) بن مَهلائیل بن قینان بن أنوش بن شیث (علیہ السلام) بن آدم (علیہ الصلاۃ والسلام)۔ اس طرح سات واسطوں سے آپ حضرت آدمؑ کے فرزند ارجمند ہیں۔ جن میں تین انبیاء ورسل شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہبوط آدمؑ سے دس صدیاں گزر چکی تھیں۔ مستدرک حاکم میں بروایت مرفوعہ مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کی بعثت ہوئی۔ نو سو پچاس سال آپ تبلیغ فرماتے رہے۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال تک حیات رہے۔ عمر شریف تقریباً گیارہ سو سال تھی۔

ایک روایت کی رو سے ایک ہزار چار سو اسی (۱۴۸۰) سال عمر شریف تھی۔ واللہ اعلم۔ کوفے کی
سرزمین آپ کا مسکن تھی وہیں آپ نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے۔ گو حضرت آدمؑ
اپنے فرزندوں اور حضرت حواؑ کے حق میں نبی و رسول تھے' لیکن آپ پہلے رسول ہیں جنکو
شرائع وسنن دئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی شریعت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا۔ اس کی
تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کی شریعت میں صرف ایمان لانے کی دعوت
تھی اور بس۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ حکم تمام شریعتوں میں برقرار رہا اور آج بھی
باقی ہے اور تا قیامت رہیگا۔ اس لحاظ سے آپ کو شیخ المرسلین کہا جاتا ہے۔
نیز آپ کا لقب آدم ثانی ہے۔ دنیا میں اس وقت جس قدر انسانی آبادی ہے وہ سب
آپ کی اولاد ہے۔ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ 71-1
يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف کہ ڈرایئے
اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر عذاب دردناک ؀

ڈرسانے کی اہمیت قانون قدرت جیسا کہ سب جانتے ہیں یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کو
ماننے والے انعام و اکرام کے مستحق ہیں اور نہ ماننے والے قابل بازپرس و سزا۔
یہ قانون کبھی بدل نہیں سکتا۔ لیکن خدائے رحمٰن و رحیم کی رحمت کا اقتضا ہے کہ

تمام بندوں کو اپنے خاص نمایندوں کے ذریعہ آگاہی بخشے تاکہ وہ قبل از قبل قانون الٰہی سے باخبر اور آگاہ ہو کر اپنی نجات و کامیابی کی راہ اختیار کریں۔ باز پرس اور سزایاب ہونے کی راہ اختیار نہ کریں۔ کامیابی کی مسرت کے مقابلے میں سزا کا اندیشہ چونکہ دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اس لئے اسی پہلو کو مقدم رکھا گیا۔ ورنہ جتنے رسول اور پیغمبر دنیا میں تشریف لائے وہ سب کے سب بشیر بھی تھے اور نذیر بھی۔ چنانچہ منشائے الٰہی کے مطابق آپ نے قوم کو اس طرح مخاطب فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ 71-2
71-3
وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى 71-4
اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

کہا اے میری قوم! میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھلے طور پر، کہ بندگی کرو اللہ کی اور اس سے ڈرتے رہو اور میرا کہا مانو تاکہ بخشے وہ تمہارے کچھ گناہ اور ڈھیل دے تم کو ایک مقرر وعدے تک، وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچیگا اسکو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے۔"

حضرت نوح کا خطاب

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے نہایت محبت آمیز خطاب فرمایا کہ تم میری قوم ہو اور مجھے تم کو ڈر سنانے کے لئے بھیجا گیا ہے

لہذا تم کو صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ اللہ سبحانہ کو وحدہٗ لاشریک لہ جان کر اسکی عبادت میں لگے رہو اور اس کے ڈر کو دل میں جگہ دیکر میرا کہا مانتے رہو۔ اسی توحید اور تقوی و اطاعت کے ثمرات آخرت میں مغفرت اور دنیا میں عمر طبیعی تک پہنچنے کی صورت میں حاصل ہوں گے۔ زندگی کا موقع جو اس وقت حاصل ہے اسکو غنیمت جان کر اپنا فرض انجام دیئے جاؤ تو اس کا صلہ دنیا میں ایک مقررہ مدت تک اور آخرت میں ابدالآباد کے لئے ملتا رہیگا۔ یہ سمجھنے کی بات ہے اگر تم کو سمجھ ہے تو اس سے یہ کام لے سکتے ہو۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی بیعت

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ دست مبارک دراز فرمایئے تاکہ میں بیعت سے مشرف ہوں۔ آپ نے داہنا ہاتھ بڑھایا میں نے آپ کے دونوں مبارک ہاتھ تھام لئے۔ ارشاد فرمایا:۔ مالک یا عمرو۔ عمرو! تم کو کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا:۔ اردت ان اشترط۔ میں نے چاہا کہ آپ سے ایک شرط کر لوں۔ فرمایا:۔ تشترط ماذا۔ کیا شرط لینا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ ان یغفرلی۔ یہ کہ اللہ سبحانہ میری مغفرت فرمائے۔ اس پر ارشاد مبارک ہوا:۔ اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ

وان الهجرة تهدم ما كان قبلها وان الحج يهدم ما كان قبله - (مسلم شریف)

عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اس سے پیشتر کے تمام گناہوں کی عمارت کو ڈھا دیتا ہے - اور ہجرت اس سے پہلے کی تمام خطاؤں کی بنیادیں ڈھا دیتی ہے اور حج اس کے پہلے کئے ہوئے تمام برے کاموں کی عمارت کو ڈھا دیتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ اسلام، ہجرت اور حج یہ تین کام ایسے ہیں کہ ان میں کا ہر ایک سابقہ معاصی کی بنیاد کو ڈھا دیتا ہے -

اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا - آپ کے اور میرے درمیان سواری کے دنبالہ کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی - ارشاد مبارک ہوا:- یا معاذ هل تدری ما حق الله على عباده وما حق العباد على الله - معاذ! کچھ جانتے ہو کہ اللہ سبحانہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ سبحانہ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ اور اس کے پیارے رسول ہی اس کو بہتر جانتے ہیں - فرمایا:- حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا وحق العباد على الله ان لا يعذب من لا يشرك به شيئا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کرتے رہیں

اور اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک نہ گردانیں اور بندوں کا حق اللہ سبحانہ پر یہ ہے کہ جو کوئی اس کے ساتھ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو عذاب نہ دے" یہ سنتے ہی میں نے عرض کیا۔ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ سنادوں؟ ارشاد ہوا۔ لاتبشرھم فیتکلوا (بخاری مسلم) نہیں نہیں۔ یہ خوش خبری ان کو نہ سناؤ۔ وہ اسی پر تکیہ کرلیں گے" (پھر کوئی نیک کام نہ کریں گے) حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ فاخبر بھا معاذ عند موتہ تأثما۔ معاذ نے اس واقعے کو عمر بھر کسی سے بیان نہ کیا۔ جب ان کا وقت آخر آن پہنچا تو محض اس اندیشے سے کہ رسول اللہ کی حدیث شریف کو بیان نہ کرنے کا گناہ رہ جائیگا اس کو بیان کردیا" کیونکہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کتمان علم کی مذمت اور ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علم کو چھپانا گناہ ہے۔

من ذنوبکم کی تفسیر یہاں یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ ارشاد ہوا ہے۔ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دیگا" یہ اس بنا پر ہے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ دوسرے وہ جو حقوق الناس سے متعلق ہیں۔ اسلام لانے، ہجرت کرنے اور حج کی ادائی سے حقوق اللہ کی معافی ہوتی ہے۔ رہے حقوق الناس وہ لوگوں سے معافی چاہنے پر موقوف ہیں۔ لہذا کچھ گناہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اول

اللہ کے درمیان جو ناکردنی کام صادر ہوئے ان کی مغفرت کی جائے گی۔

ذنوب کی تفسیر ابن جریجؒ فرماتے ہیں: من ذنوبکم قال الشرک۔ (سعید ابن منصور، ابن المنذر) من ذنوبکم سے مراد شرک ہے" جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہو سکتا۔ کسی مشرک کا مسلمان ہو جانا بھی شرک سے توبہ ہے۔ لہٰذا ایک مشرک جو عمر بھر شرک جیسا گناہ عظیم کرتا رہا اگر وہ اسلام لائے تو عمر بھر کے مشرکانہ اعمال بخش دئے جائیں گے۔ جب شرک جیسا گناہ عظیم بخش دیا جاتا ہے تو دوسرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ بشرطیکہ وہ حقوق الناس سے متعلق نہ ہوں۔

کلمۂ من کی تفسیر بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں کلمۂ من بیانیہ ہے۔ یعنی من زائد ہے جس کے کوئی معنی نہیں لئے جائیں گے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے گناہ بخش دئے جائیں گے" یعنی تمام گناہ۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ بعض گناہوں کے بخش دئے جانے کی بشارت سنانے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے بعض نہیں بخشے جائیںگے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے بعض بھی بخش دئے جائیں۔ گو اس کا وعدہ نہیں دیا گیا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ بہر حال یہ خطاب قوم نوحؑ کے لئے ہے کہ توبہ کرنے سے بعض گناہ بخش دئے جانے کا وعدہ کیا گیا اور دوسرے بعض کی نسبت کوئی وعدہ نہیں کیا گیا۔ مگر امتہ مرحومہ کے حق میں ارشاد ہوا: یغفر لکم ذنوبکم (سورۃ الصف)

جس میں من تبعیضیہ وارد نہیں ہوا۔ گویا امۃ مرحومہ کو وعدہ دیا گیا ہے کہ ان کے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے۔" سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا۔ یغفر لھم ما قد سلف ان کے اگلے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے۔" اس سے زیادہ صراحت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ یقیناً اللہ سبحانہ تمام گناہ بخش دیگا۔" اس سے امۃ مرحومہ کی فضیلت امم سابقہ پر معلوم ہوتی ہے۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ اور تم کو ڈھیل دیگا ایک مقرر وعدے تک۔" یعنی تم کو عافیت دیگا اس مدت کی انتہا تک جو تمھارے لئے مقرر کی گئی ہے جس صورت میں کہ تم ایمان لاؤ اور طاعت میں لگے رہو۔ اس عرض مدت میں تم سے کوئی مواخذہ یا بازپرس نہ ہوگی۔

قضاء مبرم و معلق اصل یہ ہے کہ قضائے الٰہی یعنی اللہ سبحانہ کا فیصلہ جو اپنے بندوں کے حق میں روز ازل ہوا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قضائے مُبرم یعنے اٹل فیصلہ جو کسی حال نافذ ہو کر رہیگا کبھی رک نہیں سکتا۔ ایسا فیصلہ ناقابل تبدیل ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔ مایُبدّل القول لدیّ ہمارے نزدیک بات بدل نہیں سکتی۔" جو کہہ دیا گیا وہ ہو کر رہیگا۔ دوسری قضائے معلق۔ قضائے معلق سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے کہ مثلاً فلاں قوم یا شخص اگر اطاعت گزار رہے تو

اس کو اتنی مدت تک عافیت کی زندگی نصیب ہوگی۔ اور اگر نافرمانی کرے تو اس کو یہ یہ سزا دیجائیگی۔ ایسا فیصلہ عائد کردہ شرط پر موقوف ہے۔ اگر شرط کی تکمیل کیجائے تو اس کی مقررہ جزا دیجائیگی۔ اور جو اس کی خلاف ورزی ہو تو اس کی سزا ملیگی۔ گویا یہ فیصلہ شرط کے ساتھ ہے۔ تکمیل شرط کی صورت میں ایک حکم اور تبدیل کی صورت میں دوسرا حکم۔ قضائے معلق بدلتی رہتی ہے۔ ارشاد باری یمحوا اللہ مایشآء ویثبت میں اسی جانب ایما فرمایا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ جو چاہے مٹا دے اور جس کو چاہے برقرار رکھے یا مٹائے ہوئے فیصلہ کی جگہ جو چاہے لکھ دے۔ یہ اختیار ذاتی ہے جو ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے۔

حضرت نوحؑ کی فہمائش اس قاعدے کی بموجب حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے آپ کی قوم کو جتا دیا گیا کہ اگر وہ آپ کی نصیحت مان لیں یعنی اللہ سبحانہ کو خدائے واحد جانیں، اور اس سے ڈرتے رہیں اور حضرت نوحؑ کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں تو اس دنیا میں جتنی مدت اس قوم بلکہ اس کی ایک ایک فرد کے لئے مقرر ہے اس کی آخری ساعت ختم ہونے تک عافیت سے گزریگی اور ہر طرح کا امن و چین نصیب ہوگا۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو ساری قوم کو طوفان میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔ یہ دو راہیں سامنے رکھی ہوئی ہیں ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں۔ مگر ستر از فسر کہ

اتنی واضح اور مفید بات اس بدنصیب قوم میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آئی درحالیکہ
فہمائش کے مختلف طریقے اور پیرائے اختیار کئے گئے جس کا بیان آرہا ہے۔ فہمائش کا
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک فہمائش کی جاتی رہی۔
ایک نسل سے مایوسی ہوئی تو دوسری نسل کا انتظار کیا گیا۔ پشت ہا پشت گزرنے پر بھی
حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ نافرمانی اور انکار کا جذبہ ترقی کر کر کے استہزاء و
تمسخر کی صورت اختیار کرتا گیا۔ پھر دستی و لسانی تکالیف برداشت کرنا پڑا اس پر بھی
کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ حضرت نوح علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی قوم کے ہاتھوں برداشت
فرماتے مگر جناب باری میں کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔ تا آنکہ اللہ سبحانہ نے
خود یہ آگاہی فرمائی: لن یؤمن من قومك الا من قد آمن (سورہ ہود)
آپ کی قوم میں جو ایمان لایا وہ لایا۔ اب آئندہ کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائیگا۔
جب یہ حقیقت منجانب اللہ آپ کو دکھلا دی گئی تو آئندہ کے لئے کوئی حالت منتظرہ
باقی نہ رہی۔ اب آپ بھی عرض حال کے لئے تیار ہو گئے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ 71-5
دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ○ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ 71-6
فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○ 71-7

عرض کیا اے پروردگار میرے! میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن، پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے اور میں نے جب کبھی اُن کو بلایا تاکہ آپ ان کو بخشیں، ڈالنے لگے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور۔"

دعوت قومی کی تفسیر دعوت قومی لیلاً ونہاراً یعنی میں نے اپنی قوم کو دعوت ایمان واطاعت "راتوں میں بھی دی اور دن کو بھی"۔ گویا ہمیشہ دعوت الی اللہ دیتا اور آپ کے احکام کی تبلیغ کرتا رہا۔ دعوت وتبلیغ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور کوئی وقت ضائع نہ کیا۔ رات کو رات نہ سمجھا اور نہ دن کو دن۔ ہر وقت اور ہر آن، موقع ومحل تلاش کرکے اپنا فرض انجام دیتا رہا۔ کڑکڑاتے جاڑے، چلچلاتی دھوپ اور لگاتار موسلادھار بارش یا رات کی تاریکی اور میٹھی نیند، کسی چیز کو عذر نہ قرار دیا۔ ان کے مجمع اور جمگھٹوں میں چلا جاتا اور انفراداً ایک ایک کے گھر پر جاکر سمجھاتا مگر الٰہی! اس کا نتیجہ جو آپ پر مخفی نہیں، اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ میں جیسا جیسا ان کو آپ کی طرف بلاتا گیا وہ مجھ سے بھاگتے ہی رہے، میری کوشش ہمیشہ یہی رہی کہ وہ دعوت ایمان قبول کریں تو آپ کی بخشش ومغفرت کے مستحق ٹھہریں اور ان کی کوشش یہ رہی کہ میری بات نہ سنیں بلکہ میری صورت تک نہ دیکھنے پائیں کہ چار آنکھ ہو جانے سے کچھ

مروت کا خیال آجاتا ہے۔ اس کے دفعیہ کی انھوں نے یہ تدبیر کی کہ میری تقریر جب تک جاری رہتی کانوں میں انگلیاں رکھ لیتے تاکہ کوئی بات سنائی نہ دے۔ اس کے ساتھ اپنے اوپر کپڑے اور چادریں اوڑھ لیتے تاکہ میری صورت ہی نظر نہ آئے۔ حق کے قبول کرنے سے ان کو اتنی ضد ہے کہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔ سب کچھ سننے پر بھی اپنی کہے جاتے اور اپنا کام کیے جاتے ہیں۔ ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

حضرت نوح کا تعارف قوم کے بچوں سے

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ بلغنی انه کان یذهب الرجل بابنه الی نوح فیقول لابنه احذر، هذا لا یغرنك فان ابی قد ذهب بی وانا مثلك فحذرنی کما حذرتك۔ (عبدالرزاقؒ عبد بن حمید ابن المنذر) مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس قوم کا ایک شخص اپنے بچے کو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس لاکر کہتا کہ ان سے بچے رہنا یہ کہیں تجھے اپنے دام میں نہ پھانس لیں۔ میرے ابا بھی مجھے اپنے ساتھ ان کے ہاں لے گئے تھے جب کہ میں تجھ جیسا کم عمر تھا۔ اور جیسا اب میں تجھے ان سے بچتے رہنے کی تاکید کررہا ہوں ایسی ہی تاکید ابا نے مجھے بھی کی تھی" اس کے مقابلہ میں حضرت نوحؑ کا خُلق ملاحظہ ہو۔

حضرت نوحؑ کیسا تھ ایذا رسانی

عبید بن عمر لیثی کہتے ہیں:۔ بلغه انهم

کانوا یبطشون بنوح علیہ السلام فیخنقونہ حتی تغشی علیہ فاذا افاق قال رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون حتی اذا عادوا فی المعصیۃ واشتد علیہ منھم البلاء انتظر النجل فلا یاتی قرن الا کان اخبث من الذین قبلھم حتی کان الآخرون منھم لیقولن قد کان ھذا مع آبائنا واجدادنا ھکذا مجنونا لا یقبلون منہ شیئا۔ (محمد بن اسحاق) ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم کے لوگ پکڑ کر گلا گھونٹ دیتے جس سے آپ پر غشی طاری ہو جاتی۔ افاقہ ہوتا تو فرماتے پروردگار! میری قوم کو بخش دیجئے کیونکہ یہ لوگ نادان ہیں۔" جب قوم کی زیادتی کا سلسلہ جاری رہتا اور شدت اختیار کر لیتا تو ان لوگوں سے مایوس ہو کر ان کی آئندہ نسل کا انتظار فرماتے۔ مگر ان کے بعد جو پود آتی وہ ان سے زیادہ خبیث اور اخبث ہوتی۔ چنانچہ بعد والی نسل اپنی اولاد سے کہتی کہ یہ دیوانے ہیں ہمارے باپ دادا بھی ان کی بات نہیں سنتے تھے لہٰذا تم بھی انکی ایک نہ مانا

قوم نوح کا غرور

وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا۔ "اور اپنی ضد پر اڑے رہے اور بڑا غرور جتایا۔" قوم نوحؑ کی انانیت اور تکبر کا یہ حال تھا کہ برملا کہہ دیا: —

ومانرٰک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرأی ومانری لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین۔ (ہود) اور ہم تو یہی دیکھ رہے ہیں کہ صرف

چند کمینے آپ کے ساتھ ہوگئے ہیں سطحی رائے رکھنے والے۔ اور آپ لوگوں کو ہم پر کسی نوع کی

کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں بلکہ ہم آپ سب لوگوں کو جھوٹے خیال کرتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت جو حاصل ہوتی ہے یا تو مال و دولت کی

بنا پر یا حکومت کے باعث، یا قوت و اکثریت کے لحاظ سے۔ ان چیزوں میں سے ایک بھی

آپ کو یا آپ کے متبعین کی جماعت کو حاصل نہیں پھر ہم آپ کی بات کس بنا پر مانیں؟

غرور کی سزا امام بغوی لکھتے ہیں کہ اس گستاخانہ جواب کی پاداش میں اللہ سبحانہٗ نے

چالیس سال، اور ایک روایت کی رو سے ستر سال تک ان پر بارش کو روک دیا۔

اور ان کی عورتیں بانجھ کر دی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مویشی ہلاک ہوگئے، مال و دولت

ختم ہوگئی۔ اولاد نہ ہونے سے نسل انسانی گھٹنے لگی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کی

احمقی کا جب یہ حال مشاہدہ فرمایا کہ ان کے دماغ میں برتری اور فضیلت کے صرف ظاہری

اسباب ہی ہیں، ایمان و احسان، علم و فضل، زہد و تقویٰ، کسب و کمال، لیاقت اور

ہنر، اور سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہٗ کی رضا و خوشنودی سے یہ یکسر عاری ہیں تو ان جیسے

معلومات رکھنے والوں سے جس نوع کی گفتگو کرنی چاہیے وہی طریقہ اختیار فرمایا

جیسا کہ آیات ذیل میں اس کی حکایت فرمائی گئی ہے:۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ 71-8 71-9

لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ 71-10 71-11
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ 71-12
جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ پھر میں نے ان کو بلایا برملا پھر میں نے انکو اعلان
دیا اور چھپ کر کہا چپکے سے، چنانچہ میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے، بے شک
وہ ہے بخشنے والا، چھوڑ دیگا آسمان کی تم پر دھاریں، اور بڑھا دیگا تم کو مال
اور بیٹوں سے، اور بنا دیگا تمھارے واسطے باغ اور بنا دیگا تمھارے واسطے
نہریں۔" یعنی دعوت و تبلیغ کی جتنی صورتیں ہوتی ہیں سب ہی اختیار کی گئیں۔ کبھی تو آواز دے کر بلایا گیا اور کبھی اعلان دے کر، وقت و مقام کا تعین کرکے دعوت دی گئی۔ اور کبھی خاموشی کے ساتھ چپکے چپکے سے سمجھایا۔ پھر اس جاہل قوم کی نظر ظاہری وجاہت پر ہے۔ اس لئے ان سے بڑے پیار سے کہا کہ یہ امساک باراں اور یہ سلسلۂ توالد و تناسل کی بندش، محض تمھاری تکذیب و تکبر اور انانیت کا نتیجہ ہے۔ اس طریقے کو چھوڑو اور اطاعت و اتباع کی راہ اختیار کرو جس کا پہلا زینہ توبہ و استغفار ہے۔ گزشتہ معاصی کی بخشش چاہو۔

حضرت نوح اور آپ کی قوم کا مکالمہ

اس قوم کا کہنا تھا:۔ ان کنا علی الحق فکیف نترکہ وان کنا علی الباطل فکیف یقبلنا ویلطف بنا

جل وعلا بعد ما عکفنا علیہ دھراً طویلاً۔ اگر ہم حق پر ہیں تو آپ ہی فرمائیے کہ ہم اس کو کیونکر چھوڑ بیٹھیں۔ اور اگر باطل پر ہیں تو حق جل وعلا کے لطف وکرم کی کیا صورت؟ درحالیکہ برس ہا برس کے طویل عرصہ سے ہم باطل پر جمے ہوئے ہیں"۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ باطل پرستی میں اگرچہ تم زمانہ مدید سے پڑے ہوئے ہو لیکن استغفار کی برکت سے تم بالکل ناآشنا ہو۔ مغفرت کی درخواست کرو تو سہی اللہ سبحانہ ازلاً وابداً غفار ہے۔ بڑی ہی بخشش والا۔ ایک وقت کی درخواست پر عمر بھر کی خطائیں بخش دیتا اور سارے گناہوں سے معافی دے دیتا ہے۔ پھر جہاں گناہ معاف ہو چکے تو تمام بندشیں کھل جائینگی۔ آسمان سے پانی برسنے لگیگا ایسا کہ جھڑیاں لگ گئی ہیں۔ باغات اور کھیت سرسبز ہو جائیں گے غلے، میوے، پھول، پھل کی بہتات ہوگی۔ حیوانات پر گوشت چڑھ جائے گا۔ دودھ، دہی، مکھن اور گھی کی فراوانی ہوگی اور تم سب کھا پی کر خوش حالی کی زندگی بسر کرتے رہوگے۔ تمھاری نہریں جو خشک ہو گئی ہیں سب جاری ہو جائینگی بلکہ نئی نئی نہریں پھوٹ نکلینگی۔ پھر تمھاری نسل ترقی کر جائے گی۔ اس طرح مال واولاد جس کی کثرت پر تم اتراتے ہو۔ یہ دو لذت بھی تم کو میسر ہو جائیگی۔

استسقاء کا حکم امساک باراں کی صورت میں استسقاء کا طریقہ جو شریعت اسلامیہ میں

جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہیگا وہ اس آیہ کریمہ سے ثابت ہے:۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا "اپنے پروردگار سے بخشش مانگو یقیناً وہ بخشنے والا ہے۔ چھوڑدیگا تم پر آسمان کی دھاریں" یعنی خوب پانی برسائیگا۔ ظاہر ہے کہ عامۃ الناس جب گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور حقوق اللہ کی ادائی سے پہلوتہی کرنے لگتے ہیں تو قحط اور امساک باران جیسی عام بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کا علاج توبہ و استغفار ہی ہوسکتا ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں:۔

از زنا افتد وبا اندر جہات ابر ناید از پئے منع زکات

استسقاء کی تاریخ استسقاء کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے عہد میں بھی رائج رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تصریح کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہم سے بھی استسقاء کا ثبوت ملتا ہے۔

حسن بصری کا ایک واقعہ حضرت ربیع بن صبیح فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ کے پاس آیا اور امساک باران اور قحط کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا:۔ استغفراللہ تعالیٰ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بخشش کی درخواست کرو اور گناہوں کی معافی چاہو"۔ اس کے بعد ایک اور شخص حاضر ہوا

اس نے تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے اس کو بھی یہی تلقین فرمائی۔ پھر تیسرا آیا اس نے درخواست کی کہ مجھے لڑکا نہیں ہے آپ دعا فرمائیے۔ اس کو بھی آپنے یہی تعلیم دی۔ پھر چوتھا شخص آیا۔ اس نے اپنا باغ سوکھ جانے کی شکایت کی۔ اسکو بھی آپ نے یہی ہدایت فرمائی۔ ہم لوگوں نے عرض کیا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ کے پاس چار اشخاص مختلف درخواستیں لاتے ہیں اور آپ ہر ایک کو ایک ہی جواب دیتے جارہے ہیں کہ استغفر اللہ تعالی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ جوابات میں نے اپنی طرف سے نہیں دیے بلکہ اس آیہ کریمہ سے سبق حاصل کیا:۔ استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انہارا۔ اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو یقیناً وہ بخشنے والا ہے۔ چھوڑ دیگا تم پر آسمان کی دھاریں اور مدد فرمائیگا اموال سے اور بیٹوں سے اور بنا دیگا تمھارے لئے باغات اور بنا دیگا تمھارے لئے نہریں۔"

امام اعظم کا استنباط حضرت امام اعظمؒ نے اسی آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ استسقاء کی روح صرف استغفار ہے۔ نماز اس کے لئے شرط نہیں بلکہ استسقاء کی تکمیل کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ اگر صرف استغفار پر ہی اکتفا کی جائے تو بھی کافی ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایک وقت ایسا ہی ہوا کہ آپ نے استسقاء کے موقع پر نماز نہیں پڑھی۔ صرف استغفار کیا۔ کسی نے سبب دریافت کیا تو فرمایا:۔ طلبت الغیث بمجاری السماء الذی یستنزل بھا القطر۔ میں نے آسمان کے دہانوں ہی سے راست بارش آنے کی دعا کی جہاں سے برسات آیا کرتی ہے۔" نیز صحیح بخاری کی حدیث شریف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک شخص حوالی مدینہ سے آیا اور امساک باراں کی شکایت کی۔ آپ نے منبر شریف ہی پر دعا فرمائی۔ پھر کیا تھا کہ بارش شروع ہوئی۔ اور آئندہ جمعہ تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسرے جمعہ میں پھر وہ شخص حاضر ہوا اور کثرت باراں کی شکایت کرنے لگا۔ پھر آپ نے دوران خطبہ ہی میں بارش رکنے کی دعا فرمائی۔ چنانچہ آسمان کھل گیا۔

بہر حال حضرت نوح علیہ السلام کی قوم دنیا داری کی دلدادہ تھی تو آپ نے ان ہی کے پسندیدہ طرز زندگی کی راہ سے وصول الی اللہ کی تدبیر فرمائی۔ مگر اس بدنصیب قوم پر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اس پر آپ نے فرمایا:۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○ کیا ہوا ہے تم کو 71-13 71-14

کیوں نہیں امید رکھتے اللہ کی بڑائی سے اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔"

آیہ لَا یَرْجُوْنَ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: لا تعلمون للہ عظمۃ۔ (سعید بن منصور، بیہقی، عبد بن حمید) لا تعرفون للہ حق عظمتہ (ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم) لا تخافون للہ عظمۃ۔ (ابن ابی حاتم، ابو الشیخ) لا تخشون لہ عقابا ولا ترجون لہ ثوابا۔ (ابن ابی حاتم) یعنی تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ سبحانہ کی کچھ بھی عظمت نہیں جانتے، اور نہ اس کی عظمت کا حق پہچانتے، تم کو اسکی عظمت سے خوف نہیں، نہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہو اور نہ اس کے ثواب کی امید رکھتے ہو" ظاہر ہے کہ دل میں کسی کی عظمت ہوتی ہے تو دل اس کی تعظیم کے لئے جھکتا ہے کہ اس معظم ہستی کی مرضی معلوم کر کے اس کے مطابق کام کرنا چاہیے جس سے وہ خوش ہو جائے۔ اسکی خوشنودی گوناگوں رحمتوں اور برکات کا باعث ہو گی۔ نیز اس کی مرضی کے خلاف سے ڈرتا ہے کہ مبادا وہ ناراض ہو جائے تو اس کی ناراضی طرح طرح کی زحمتوں اور آفات کا پیش خیمہ ہو گی پھر عظمت کے مختلف اسباب اور درجات ہو جاتے ہیں۔ جس کی جیسی عظمت ذہن نشین ہو ایسی تعظیم اور اسی کے مطابق امید و بیم کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد ہوا۔

خلقکم اطوارا کی تفسیر وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔"

لہٰذا جب وہ تمھارا خالق ہے وجود میں لانے والا نیست سے ہست کرنے والا۔ اور یہ طاقت کائنات میں کسی کو حاصل نہیں تو اس کی تعظیم سب سے بالاتر اور اس کی ذات تمام امیدوں کا مرجع ہوگی۔ اس کی خوشنودی ڈھونڈنا ہمارا فرض ہوگا۔ اسی طرح اس کی ناراضی سے بچنا، اور بصورت ناراضی، اس کے عذاب سے ڈرنا لازم ہوگا۔ انسان کی آفرینش کا کیا حال ہے اس کا بیان کئی جگہ آچکا ہے یہاں اس کی جانب صرف اشارہ کردیا گیا۔ یعنی یہ کہ پہلے عناصر سے، پھر غذاؤں سے، پھر اخلاط سے، پھر نطفہ سے علقہ، مضغہ بنایا۔ پھر ہڈی کا ڈھانچہ تیار کرکے اس پر گوشت چڑھایا، پھر روح پھونکی، پھر حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے آراستہ کرکے پیدا کیا۔ پھر بچہ سے جوان، پھر بوڑھا کیا، کسی کو بلند قامت، کسی کو کوتاہ، کسی کو ضعیف و ناتواں، کسی کو تنومند قوی بنایا، خلق اور خُلق کے مختلف درجات اور صورتیں بنائیں، زبان اور رنگ کے لحاظ سے ان کی تقسیم جدا ہے۔

دوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عہد الست کے موقع پر صلب آدمؑ سے نکال کھڑا کیا، پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام جب خانۂ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت سیدنا ابراہیمؑ کو حکم ہوا :- اذن فی الناس بالحج۔ تمام لوگوں میں حج کا اعلان دیجئے۔ اس وقت سے قیامت تک جس قدر بنی آدمؑ وجود میں آنے والے تھے ان سب کی ارواح کو جمع کرکے اعلان سنایا گیا۔ حضرت خلیل اللہ نے

وقفہ وقفہ سے کئی بار حج کا اعلان فرمایا کسی نے ایک دفعہ لبیک کہا اور کسی نے ایک سے
زائد دفعہ۔ اور باقی جواب نہ دے سکے جنھوں نے لبیک نہ کہا ان کو حج میسر نہ ہوا۔
اور لبیک کہنے والوں میں سے جس نے جتنی دفعہ لبیک کہا تھا اتنی دفعہ ان کو یہ سعادت
نصیب ہو رہی ہے۔ یہ بھی ایک نوع کی تخلیق تھی۔

تیسری تفسیر اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تو حضرت آدمؑ
کو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان کے داہنے بائیں تمام ذریت موجود ہے۔ آپ کو معلوم کرایا
گیا کہ داہنی جانب میں جس قدر ذریت ہے وہ ارواح سعداء ہیں یعنی نیک بخت
اور مومنین اور جس قدر بائیں جانب ہیں وہ ارواح اشقیاء ہیں یعنی بدبخت و کفار۔
پھر سعداء اور اشقیاء کے بے شمار اقسام ہیں۔ یہ بھی ایک طور سے تخلیق تھی۔ اور معلوم
اس جیسی تخلیق کب کب اور کتنی دفعہ عمل میں آئی اور آئیگی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان
اور حضور اکرمؐ کی معراج، حضرت نوح علیہ السلام کے عہد سے ہزاروں سال بعد ہوئی۔
بہر حال حضرت نوح علیہ السلام کا منشا اس تقریر سے یہ تھا کہ اللہ سبحانہ تعالی کی عظمت
و وقار قوم کے ذہن نشیں ہو۔ جب آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ دلائل انفس سے قوم متاثر
ہوتی نظر نہیں آرہی ہے تو دلائل آفاق پیش کئے:۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ وَّجَعَلَ 71-15
71-16

الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ کیا تم نہیں دیکھتے کیسے

بنائے اللہ نے سات آسمان تہ پر تہ اور رکھا اُن میں چاند کو روشن اور رکھا سورج کو

چراغ جلتا ہوا۔

آیاتِ آفاق سے تحصیلِ معرفت

انسان آنکھ کھولتا ہے تو اس کو آسمان نظر آتا ہے اگر یہ صورت رات کو رونما ہو اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ دن بھر کام کر کے فارغ ہوتے ہیں تو اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ اب آسمان ان کے پیش نظر ہے اور اس میں چاند اور ستارے بھی۔ چاند کی روشنی خنک اور خوشگوار اور یہی حال ستاروں کا ہے اس لئے چاند کا بیان پہلے فرمایا۔ اور کبھی ایسی اطمینانی صورت دن میں بھی پیش آتی ہے۔ اس وقت چاند اور ستارے تو نظر نہیں آتے مگر صرف ایک آفتاب عالم تاب کی روشنی اتنی تیز دکھائی دیتی ہے گویا کوئی جلتا ہوا چراغ آنکھوں کے سامنے ہے۔ مجال نہیں کہ اس کو آنکھ بھر دیکھ سکیں۔ تیزی اس بلا کی ہے کہ نظر پڑتے ہی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ یہ آسمان، اور یہ چاند، سورج، اور ستارے بھی اللہ سبحانہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ قدرت کے بے شمار انتظامات، ان سے وابستہ ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو نظام عالم معطل ہو جائے علوم ہیئت و نجوم کا تعلق ان ہی ثوابت اور سیاروں سے ہے۔ سینکڑوں ہزاروں برس سے معلومات فراہم کی جارہی ہیں لیکن جس قدر دریافت ہوئی ہے وہ کوہ کے

مقابلہ میں کاہ' یعنی ناقص و ناتمام اور ع کار کلی ہنوز در قد راست۔ کا مصداق ہے۔
اگر صرف انہی آسمانوں اور سیارگان و ثوابت کو دیکھو تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے ان کو
دیکھ کر اللہ سبحانہ پر ایمان لاؤ۔

شمس و قمر کی روشنی آسمانوں میں

حضرت حسن بصریؒ آیہ کریمہ خلق سبع سماوات
طباقا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ بعضھن فوق بعض بین کل ارض و سماء
خلق وامر۔ ایک آسمان پر دوسرا آسمان ہے اور ہر زمین و آسمان کے درمیان مخلوق
بستی ہے اور امر الٰہی جاری ہے" وجوھھما فی السماء وظھورھما الیکم۔ (ابن المنذر'
ابو الشیخ) چاند سورج کا رخ آسمانوں کی طرف اور ان کی پیٹھ تمہاری جانب ہے" عکرمہ
فرماتے ہیں:۔ انہ یضیئ نور القمر فیھن کلھن لما لو کان سبع زجاجات
اسفل منھا شھاب اضاءت کلھن فکذلک نور القمر فی السماوات کلھن
لصفائھن۔ (ابن المنذر) چاندنی ساتوں آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ جیسے سات شیشے
ہوں اور ان کے نیچے ایک تارہ ہو تو تمام شیشے چمک اٹھتے ہیں اسی طرح چاندنی بھی
پورے آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ آسمان شفاف ہیں" اسی مضمون کی روایات
حضرت ابن عباس' عبداللہ بن عمرو اور عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں جن کی
تخریج عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابن المنذر' ابو الشیخ اور حاکم نے بروایت صحیحہ کی ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا 71-17 71-18
وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۞ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ لِّتَسْلُكُوْا 71-19 71-20
مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۞ ع ۲۰ ۹ اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جاکر پھر دوبارہ ڈالے گا
تم کو اس میں اور نکالیگا تم کو باہر اور اللہ نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا تاکہ
چلو اس میں کشادہ رستے ۔"

آیات آفاق سے ایک اور سبق اگر اپنے گھر سے باہر نکلنا، اور آسمان یا چاند، سورج کو دیکھنا گوارا نہیں تو زمین جس پر تم رہتے بستے ہو اسی کو دیکھو کہ تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش مٹی سے ہوئی۔ ابن جریج فرماتے ہیں: خلق آدم من ادیم الارض کلھا۔ (ابن المنذر) آدمؑ کی تخلیق ادیم الارض یعنی پورے روئے زمین کی مٹی سے ہوئی"۔ اسی وجہ سے آپ کا نام آدمؑ ہوا۔ روئے زمین کی مٹی سے بنایا ہوا۔ پھر ان کی ذریت زمین سے پیدا ہونے والی غذاؤں اور ان غذاؤں سے بنے ہوئے اخلاط، اور ان اخلاط سے نکلے ہوئے خلاصہ سے بنائی گئی۔ اس اعتبار سے تمام انسان مٹی ہی سے بنائے گئے۔ اسی طرح جیسے نباتات زمین سے اگتے ہیں۔ پھر انسان پر فنا طاری ہوتی ہے تو وہ مٹی میں جاتا ہے۔ اس کے بعد حساب و جزا کے لئے دوبارہ اسی مٹی سے اٹھایا جائے گا۔ یہی زمین اللہ سبحانہ کے حکم سے تمہارا بچھونا بنی ہوئی ہے تاکہ تم اس پر

سہولت کے ساتھ چلتے پھرتے، زندگی کے کاروبار انجام دیتے اور اس کی منفعتوں سے فائدہ اٹھاتے رہو۔ اس زمین سے بھی تم کو سبق مل سکتا ہے کہ جس طرح اس میں کھیتی باڑی کرنے باغات لگانے، آب پاشی کا انتظام کرنے سے بے شمار غلے، پھل پھول، کیمیائی بوٹیاں، ایندھن، اور جانوروں کا چارہ، لباس، تعمیری اشیاء، معدنیات، اور ضروریات کی تمام چیزیں فراہم ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ نے اس زمین میں راستے بنا دیے ہیں تاکہ تم ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو۔ اور چل پھر کر بے شمار منافع اور فوائد حاصل کرتے رہو۔ یہ تمام نعمتیں بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لہذا خدائے واحد کا یقین کرو اور اس کے احکام مانو۔

حضرت نوحؑ کی مایوسی ایسی دلپذیر تقریر، اور ایسا دل نشیں طرز بیاں، پھر اس پر مستزاد یہ کہ انسان کا جی بھی یہی چاہتا تھا اور طبیب روحانی حضرت نوح علیہ السلام نے نسخہ بھی وہی تجویز فرمایا۔ یعنی قوم نوحؑ کو جن چیزوں سے الفت اور دلچسپی تھی ان ہی سے ان کا موثر علاج کرنے کی تدبیر فرمائی اور تدبیر بھی ایسی کہ ان کی دنیا بھی سدھر جائے اور عاقبت بھی بنے اپنی پسندیدہ چیزوں سے اور اپنی پسند کے مطابق۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم، اپنی برادری کی ہمدردی، فلاح و بہبودی، نصیحت اور خیر خواہی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔ نہایت دل سوزی اور خلوص سے ایک ہزار سال تک

سمجھاتے رہے۔ سو سال میں عموماً چار پشت ہوتے ہیں۔ گویا آپ چالیس پشتوں کو درس شفقت
دیتے رہے مگر معدودے چند افراد کے سوا کسی پر اس کا اثر نہ ہوا۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔
لن یؤمن من قومك الا من قد آمن۔ آپ کی قوم سے جس قدر بھی ایمان لائے وہ لائے۔
ان کے سوا آئندہ کوئی بھی ایمان نہ لائیگا“ یہ معلوم کرکے آپ نے عرض کیا:۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَ 71-21
وَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۚ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ 71-22 71-23
وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ 71-24
أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝ کہا نوحؑ نے اے پروردگار

میرے! انھوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو اس کے مال اور اولاد سے
اور زیادہ ہوا ٹوٹا اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ اور بولے ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو
اور نہ چھوڑو ودّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو اور بہکا دیا بہتوں کو
اور تو نہ زیادہ کریے انصافوں کو مگر بھٹکنا۔“

حضرت نوحؑ کے ساتھ مخالفت یہ عرض داشت سابقہ معروضہ قَالَ رَبِّ
إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي کا تتمہ اور تکملہ ہے چونکہ فاصلہ زیادہ ہو گیا تھا اس لئے
قَالَ نُوحٌ سے اس کی ابتدا فرمائی گئی اور واو عاطفہ نہیں لایا گیا۔ بہر حال حضرت

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ پروردگار من! ان لوگوں نے میری ایک بات بھی نہ مانی۔ گویا ایک ہزار سال کی کدو کاوش کا خلاصہ صرف ایک لفظ عَصَوْنِیْ میں پیش فرمادیا گیا۔ سبحان اللہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کیا کمال بلاغت ہے کہ ہزار سال تک تبلیغ کرنے کا نتیجہ ایک لفظ عصونی میں بیان فرمادیا کہ انھوں نے ان پیغمبرانہ تقریروں میں سے ایک کو بھی نہ مانا۔"

مال و دولت کی ناقدری پھر ماننا کس کو۔ مال و دولت رکھنے والوں اور مردم شماری میں اکثریت والوں کو، درحالیکہ کثرتِ مال و اولاد سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ ان کو نہ پہنچ سکا۔ اور فائدہ پہنچتا کیسے جب کہ ان چیزوں کو راہِ خدا میں لگایا ہی نہیں گیا۔ اللہ نے مال دیا تھا تو مال سے حق اللہ ادا کیا جانا چاہیے تھا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ؎

توانگراں را وقف ست و نذر و مہمانی زکاۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی
تو کے بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی جزایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

بجائے اس کے لہو و لعب، اسراف اور فضولیات، بلکہ اللہ سبحانہ کی نافرمانیوں میں لگایا گیا جس سے مال بھی ضائع ہوا اور آخرت بھی برباد ہوئی۔ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوئے، نعوذ باللہ منہ۔

اولاد کی ناقدری اللہ سبحانہ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو اولاد بھی دی تھی۔ اتنی کہ ان کی زیادتی پر فخر کرتے رہے۔ اگر اس اولاد کو دین سکھایا جاتا۔ اور عبادتِ الٰہی کا خوگر بناتے تو وہ نیک کاموں میں لگے رہکر دوسروں کی ہدایت کا سبب بنتے۔ خود نجات پاتے اور دوسروں کو نجات دلاتے' نیز اپنے ماں باپ کے حق میں یہ اعلیم دعائے خیر کرتے رہتے۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلی ولوالدیّ وارحمھما کما ربیانی صغیرا الٰہی! مجھے بخش دیجے اور میرے والدین کو بھی بخش دیجے اور ان پر مہربانی فرمایئے۔ جیسا کہ وہ بچپن میں مجھ پر مہربان رہ کر میری تربیت کرتے رہے" مگر افسوس کہ نہ خود راہ راست پر آئے اور نہ اولاد کی صحیح رہنمائی کی۔ بالآخر ضلّوا واضلّوا کا مصداق ٹھہرے۔ کثرتِ اولاد سے بھی بجائے فائدے کے نقصان ہی میں رہے۔

حضرت نوحؑ کے ساتھ داؤ پھر یہی نہیں بلکہ عمر بھر اللہ کے رسول کی مخالفت میں کمربستہ رہے ومکروا مکرًا کُبّارا۔ اور بڑے بڑے داؤ خدا اور اس کے رسول کے خلاف میں کرتے رہے۔ کبھی تو استہزاء وتمسخر کیا۔ کبھی طعنہ زنی اور اعتراضات سے کام لیا۔ کبھی ایذا رسانی کے درپے رہے۔ قتل کی دھمکیاں دیں اور جان لینے کے منصوبے بناتے رہے۔ لوگوں میں بدنام اور رسوا کیا۔ اگر کچھ لوگ راہ راست پر آتے ہوئے نظر آتے تو ان کو اپنے ارادے سے روکنے کی کوشش کی۔ بنے بنائے کام کو بگاڑ دینا اور نیکی میں

نیکی میں رکاوٹ ڈالنا ان کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ جو کام شیطان سے بھی نہ ہوسکے یہ شیاطین الانس اس کو کرڈالتے۔

بت پرستی کا پرچار چنانچہ وہ کہا کرتے: لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ تم اپنے معبودوں اور ٹھاکروں کو کبھی نہ چھوڑنا" اور نہ نوح کے خدائے واحد کو ماننا۔ ان کے معبود کون؟ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ وغیرہ۔ جتنی ان کی ضرورتیں اور حاجات، اتنے ان کے معبود۔ ایک دن ایک کی عبادت، تو دوسرے دن دوسرے کی پوجا اور درشن۔ خود اسی تقسیم کار سے ان کے معبودوں کی عاجزی اور بےبسی ظاہر ہے کہ ایک سے دوسرے کا کام نہیں ہوسکتا۔ اور ایک معبود کی مجال نہیں ہے کہ دوسرے کے کام میں دخل دے سکے۔ مگر ان پجاریوں کی عقل ماری گئی ہے کہ ایسی کھلی بات انکی سمجھ میں نہیں آتی۔

معبودانِ قومِ نوحؑ کے جو اسماء اوپر بتائے گئے ان کی نسبت عام روایات متفق ہیں کہ یہ صالحین تھے، یہ کس زمانے کے تھے اور کون تھے اس میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند تھے، کسی روایت میں ہے کہ ان کا زمانہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ حضرت نوحؑ ہی کی امت کے صالحین تھے جن کی وفات حضرت نوح علیہ السلام کی حیات میں ہوچکی تھی۔

یہ حضرات خدا اور رسول کے فرماں بردار بھی تھے اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے تھے۔ انکی اولاد کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی اپنے والدین کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

بُت پرستی کی ایجاد عبید اللہ بن عبید بن عمیر فرماتے ہیں:۔ اول ماحدث الاصنام علی عھد نوح وکانت الابناء تبر الآباء فمات رجل منھم فجزع علیہ فجعل لایصبر عنہ فاتخذ مثالا علی صورتہ فکلما اشتاق الیہ نظرہ ثم مات ففعل بہ کما فعل ثم تتابعوا علی ذلک فمات الآباء فقال الابناء ما اتخذ ھذہ آباؤنا الا انھا کانت آلھتھم فعبدوھا۔

(فاکہی) بت پرستی سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں ایجاد ہوئی۔ اس وقت عام طور پر بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتے تھے۔ ان صالحین میں سے ایک کا انتقال ہوا۔ بچوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ مرحوم کو دیکھے بغیر نہ رہ سکتے تھے انھوں نے مرحوم کا ایک مجسمہ تیار کیا۔ اب کیا تھا کہ جب کبھی مشاق دید ہوتے تو اس کو دیکھ لیتے۔ یہ نسل بھی گزر گئی تو ان کے ساتھ بھی ان کی اولاد نے یہی عمل کیا جب یکے بعد دیگرے کئی نسلیں اسی طرح مرتی گئیں تو ان کی اولاد کہنے لگی کہ ہمارے باپ دادا نے یہ مجسمے محض ان کی پرستش کی خاطر بنائے تھے۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر ان کی پرستش شروع کرنے لگے۔" بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اولاد کو پریشان دیکھ کر

ابلیس لعین نے ان کے والدین کی تصویریں دیں اور کہا جب کبھی اُن کو دیکھنا ہو تو انکی یہ تصاویر دیکھ لیا کرو۔ ابتداءً تو یہ تصویریں مسجد کے ایک گوشہ میں پس پشت رکھ دی گئی تھیں۔ شدہ شدہ ان کو سامنے کے گوشہ میں پھر ان کو کھول کر سامنے نصب کر دیا گیا اور علانیہ پرستش ہونے لگی عـلـہ

یغوث کی ساخت ابو عثمان فرماتے ہیں:۔ رأیت یغوث صنما من رصاص یحمل علی جمل اجرد فاذا برك قالوا قد رضی ربکم هذا المنزل۔ (عبد بن حمید ابن المنذر ابن مردویہ) میں نے یغوث نامی بت کو دیکھا جو سیسے سے بنایا گیا تھا اس کو

عـلـہ فی زمانناد یکھا گیا کہ بعض لوگ اپنے بزرگوں کی محبت میں بیجا غلو کر جاتے ہیں کہ انکی تصاویر اصلی یا فرضی تیار کر کے اس کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان تصاویر کو چومتے ہیں۔ سر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ انکی بلائیں لیتے ہیں۔ بیماری کے وقت اپنے سر پر رکھتے اور اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اس کو باعث شفا سمجھتے ہیں جب ان منہیات پر کوئی انھیں ٹوکتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قابل ملامت نہیں کیونکہ ہمارا مقصد اپنے بزرگوں سے اپنا رابطہ قائم رکھنا ہے و بس۔ عزیزان من! یہ سب امور قابل اصلاح ہیں۔ رفتہ رفتہ یہی چیزیں ترقی کرنے لگیں گی تو پھر انھیں بزرگان دین رحمہم اللہ کی تصاویر کے مجسمے تیار ہونے لگیں گے۔ آنے والی نسلیں انا وجدنا علیہ آباءنا کہہ کر انکی پرستش و پوجا پاٹ شروع کر دینگی۔ اسلئے اسکی شدید ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے دروازوں کا جلد سے جلد سدباب کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

اس کو ایک اونٹ پر لادا جاتا تھا جس کے بال نہ ہوتے یا کم ہوتے۔ وہ اونٹ چلتا چلتا جہاں کہیں بیٹھ جاتا تو سب کے سب کہنے لگتے کہ یہ جگہ تمہارے رب کی پسندیدہ منتخب جگہ ہے" گویا وہیں اس کو نصب کرکے پرستش کرنے لگتے۔

بت پرستی عرب میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ صارت الاصنام والاوثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعدُ اما ودّ فکانت لکلب بدومۃ الجندل واما سواع فکانت لھذیل واما یغوث فکانت لمراد ثم لبنی غطیف عند سبا واما یعوق فکانت لھمدان واما نسر فکانت لحمیر لآل ذی الکلاع (بخاری ابن المنذر ابن مردویہ)۔ تراشیدہ اور نا تراشیدہ بُت، جو قوم نوحؑ میں تھے بعد کو عرب میں منتقل ہو گئے۔ وَدّ بنی کلب کی مورتی تھی جو دومۃ الجندل میں آباد تھے۔ اور سواع قبیلہ ہذیل کی اور یغوث قبیلہ مراد کی، پھر بنی غطیف کی جو ملک سبا (یمن) میں بستے تھے۔ یعوق کی مورتی قبیلہ ہمدان کے حصہ میں آئی اور نسر مقام ذی الکلاع کے قبیلہ حمیر کے حصہ میں۔

دفن شدہ بتوں کی برآمدی نیز حضرت عباسؓ سے ایک روایت یوں ہے:۔ ان تلک الاوثان دفنھا الطوفان وطمھا التراب فلم تزل مدفونۃ حتی اخرجھا الشیطان لمشرکی مکۃ۔ (مظہری) ان بتوں کو طوفان نوحؑ نے دفن

کردیا تھا اور ان کو مٹی نے دبا دیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک زیر زمین دفن رہے تاآنکہ ان کو شیطان نے مکہ کے مشرکین کے لئے نکال لایا۔" یعنی عمرو بن لُحی نامی مشہور لعین جو قبیلہ مضر سے تھا جس کا زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین چار سو سال قبل تھا اس کو شیطان نے یوں بہکایا کہ زمانہ نوحؑ کے دیوتا جدّہ میں دفن ہیں ان کو نکال کر ان کی پرستش کیا کرو۔ چنانچہ وہ ان بتوں کو جدہ سے مکہ میں لایا اور ان کو کعبۃ اللہ شریف میں کھڑا کیا۔ اس کے بعد سے عرب میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ یہ بت پیتل، سیسے، تانبے، لکڑی، اور پتھر کے تھے۔

عرب میں بت پرستی کا موجد

عمرو بن لُحی ملعون کے ذریعہ بت پرستی کا عرب میں رواج اسی طرح تھا جیسا کہ سامری لعین کے ذریعہ ہندوستان میں اس کا رواج ہوا۔ جو وشنو، شیو، برہمو، اندر، ہنومان، وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ نعوذ باللہ من کید الشیطان۔ آفتاب اسلام کی ضیاباری سے سارا عالم چمک اٹھا۔ اور بڑے بڑے بت کدے ڈھیر ہوئے مگر چودہ سو سال گزرنے پر بھی اسلام کی حقانیت، اور بت پرستی کی گمراہی ابھی تک اہل ہند کی سمجھ میں نہ آئی اگرچہ بعض طبائع متنفر ضرور رہیں لیکن بت پرستی کے انکار کی ہمت انہیں کبھی نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

بت پرستی کی گمراہی

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔ ان لوگوں نے یا ان کے بتوں نے

بہتوں کو گمراہی میں ڈال دیا۔ جب یہ لوگ خود گمراہی میں پڑے رہنا چاہتے ہیں تو اے
پروردگار من ! وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۔ تو بھی ان ظالموں کی گمراہی کو
بڑھاتا ہی جا ۔" کیونکہ سنت اللہ یہی جاری ہے :- ان اللہ لا یغیر ما بقوم
حتی یغیروا ما بانفسھم ۔ اللہ سبحانہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا۔ تا آں کہ
وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلیں " ۔ ے ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پھر قوم نوحؑ کا کیا حشر ہوا؟ اس کو مختصراً بیان فرمایا جا رہا ہے :۔

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ 71-25
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ کچھ وہ اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے، پھر ڈالے
گئے آگ میں، پھر نہ پایا اپنے واسطے انھوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار ۔"

مِمَّا خطیئاتھم کی تفسیر کلمۂ مِمَّا دراصل "مِنْ مَا" تھا۔ قرب مخرج کی وجہ سے
ن کو م سے بدل کر ایک کو دوسرے میں ادغام کیا گیا۔ عامۂ مفسرین نے یہاں مِنْ
سببیہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ان خطاؤں اور معصیتوں کے سبب سے وہ
تمام کے تمام ڈبا دئے گئے پھر ساتھ ہی آگ میں ڈال دئے گئے ۔" **فقیر** کی رائے ناقص میں
مِن تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کی بعض خطاؤں اور معصیتوں کے باعث

وہ صرف ڈبا دیے گئے پھر آگ میں جھونک دیے گئے۔ اس لئے کہ یہ عذاب دنیا اور برزخ کا تھا تمام معاصی اور گناہوں کی سزا کیا ہو گی اسی سے اندازہ کر لیا جائے۔ رہا کل خطاؤں اور معصیتوں کا حساب اور ان سب خطاؤں کے بدلے میں عذاب، وہ قیامت میں ہو گا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: — ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔ "ہم ضرور چکھائیں گے ان کو معمولی سا عذاب (دنیا میں) نہ کہ بڑا عذاب (جو آخرت میں ہو گا)"۔

نارًا کی تفسیر نیز نارًا کو نکرہ لانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آگ کچھ اور ہی قسم کی آگ تھی جو نار جہنم کے سوا ہے۔ یہیں سے مفسرین کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیۂ کریمہ سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اُغْرِقُوْا کے بعد فَاُدْخِلُوْا نَارًا فائے تعقیبیہ کے ساتھ ارشاد ہوا۔ اور نارًا کو نکرہ لایا گیا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قوم نوحؑ ڈبا دی جانے کے ساتھ ہی ایک جداگانہ نوع کی آگ میں ڈال دی گئی۔ یہ برزخ کی آگ ہے۔ یہاں نار دوزخ مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ کفار قیامت کے فیصلے کے بعد اس میں داخل ہوں گے۔ ضحاک نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے: — کانوا یغرقون من جانب ویحرقون بالنار من جانب۔ "قوم نوح ایک طرف سے پانی میں ڈوب رہی تھی اور دوسری طرف سے آگ میں جلائی جا رہی تھی"۔ لہٰذا

یہ عذاب برزخ (عذاب قبر) ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسری آیات کریمہ میں بھی عذاب قبر کی طرف ایما موجود ہے۔ اس کے علاوہ احادیث صحیحہ میں عذاب قبر کے باب میں صحیح روایات بکثرت آئی ہیں۔ جن سے انکار نہیں ہو سکتا جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے: ۔ عذاب القبر حق۔ عذاب قبر حق ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند احادیث شریفہ عرض کیے جاتے ہیں: ۔

میت جوتیوں کی آواز تک سنتی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ۔ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ وانہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقال لہ ما کنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فاما المؤمن فیقول اشھد انہ عبد اللہ ورسولہ فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار قد ابدلک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ فیراھما جمیعا واما المنافق والکافر فیقال لہ ما کنت تقول فی ھذا الرجل فیقول لا ادری کنت اقول ما یقول الناس فیقال لا دریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین (بخاری مسلم)

جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا اور اس کے ساتھی واپس ہو جاتے ہیں اور وہ اس حالت میں

ان کی جوتیوں کی آواز سنتا رہتا ہے تو اس کے ہاں دو فرشتے (منکر نکیر) آتے اور اس کو بٹھادیتے ہیں پھر (حضرت سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھا کر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ان کے باب میں کیا عقیدہ رکھتا تھا؟ وہ ایمان دار ہوتا ہے تو کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ تیرا یہ ٹھکانہ دوزخ میں تھا جس کو بدل کر اللہ سبحانہ نے تیرا ٹھکانہ جنت میں قرار دیا۔ وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیگا۔ اور جو منافق یا کافر ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ صاحب کون ہیں میں نہیں جانتا ان کی نسبت سب جو کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے خود جانا اور نہ کسی کی بات مانی اب اس کو لوہے کے ہتھوڑوں سے پیٹا جائے گا جس سے وہ چیختا چلاتا رہیگا جس کی آواز جن وانس کے سوا تمامی مخلوقات سنتے ہوں گے۔"

حضورؐ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:—

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلاۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر (بخاری، مسلم) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے جب کبھی نماز پڑھتے دیکھا تو آپ عذاب قبر سے ہمیشہ اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے رہے۔"

قبر آخرت کی پہلی منزل ہے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی حالت یہ تھی:— انہ کان اذا وقف علی قبر یبکی حتی تبتل لحیتہ فقیل لہ تذکر الجنۃ

فلا تبکی وتبکی من ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان القبر اول منزلۃ من منازل الآخرۃ فان نجا منہ فما بعدہ ایسر منہ وان لم ینج منہ فما بعدہ اشد منہ۔ (ترمذی ابن ماجہ) آپ کسی قبر کے پاس ٹھہرتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر بتر ہو جاتی آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت کی یاد کرتے ہیں تو زاری نہیں فرماتے اور قبر پر اس قدر گریہ وزاری فرماتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ قبر منازل آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات ہو جائے تو اس کے بعد کے منازل آسان ہیں اور جو اسی سے نجات نہ ملی تو مابعد کے منازل دشوار تر ہیں" نیز آپ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:۔ ما رأیت منظراً قط الا والقبر افظع منہ۔ میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جو قبر سے زیادہ بھیانک ہو۔"

کفار پہ عذاب قبر حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعۃ وتسعون تنینا تنھشہ وتلدغہ حتی تقوم الساعۃ ولوان تنینا منھا نفخ فی الارض ما انبتت خضراء۔ (دارمی ترمذی) ایک ایک کافر کی قبر میں (۹۹) سانپ مسلط ہوں گے جو تاقیامت اس کو ڈستے اور اس کا گوشت نوچتے رہیں گے۔ ان میں کا ایک ایک سانپ

ایسا ہوگا کہ اگر وہ زمین پر پھونک مارے تو پھر اس پر کوئی سبزہ پیدا نہ ہو۔"

عذاب قبر حق ہے یہاں قبر سے برزخ مراد ہے۔ خواہ میت کو زمین میں دفن کیا گیا ہو یا اس کی نوبت نہ آئی ہو۔ آگ میں جلا دیا جائے۔ یا پانی میں ڈوب جائے۔ یا کوئی درندہ کھا جائے وہی اس کی قبر ہوگی۔ عالم برزخ کا عذاب و ثواب جو بھی میت سے متعلق ہے وہیں سے اس کا مشاہدہ یا اس سے سابقہ رہیگا۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی عقیدہ ہے جو قرآن کریم کی آیات اور حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صریح ارشادات سے ثابت ہے۔ رہے معتزلہ وغیرہ جو اس کے منکر ہیں۔ ان کے جواب کے لئے تقریر بالا کے بعد یہ شعر کافی ہے:-

برسر قبر کسے رفتم و گفتم چونی گفت احوال چہ پرسی کہ تو آئی دانی

بتوں کی بے بسی الغرض قوم نوح اپنے کرتوت کی بنا پر جب اس عذاب میں مبتلا ہوئی فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا۔ تو اللہ سبحانہ کی مدد تو ان کے شامل حال نہ تھی اس لئے کہ وہ اس کے منکر تھے۔ اور غیر اللہ کی پرستش میں لگے ہوئے تھے۔ اگر ان کو ایمان ہوتا تو یہ عذاب ہی کیوں آتا۔ ایسے نازک وقت میں نہ ود ان کی مدد کو آسکا اور نہ سواع نہ یغوث انکی فریاد کو پہنچ سکے اور نہ یعوق و نسر وغیرہ۔ سب کے سب پانی میں ڈبوئے اور آگ میں جھونکے گئے۔ یاحسرۃً علی العباد۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ 71-26

71-27 اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝
71-28 رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ
ع ۲ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ۧ اور کہا نوحؑ نے یا رب! نہ چھوڑیے زمین پر
منکروں کا ایک بھی گھر بسنے والا' مقرر اگر تو چھوڑ دیگا ان کو' بہکائیں گے تیرے
بندوں کو' اور نہ جنیں گے مگر ڈھیٹھ' حق کا منکر' اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے
ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایمان دار' اور سب ایمان والے مردوں کو
اور سب ایمان والی عورتوں کو' اور بڑھتا رکھ گنہگاروں پر یہی برباد ہونا"

حضرت نوحؑ کا معروضہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے ہزار سالہ تجربہ یا اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کی بنا پر کہ آئندہ کوئی ایمان نہ لائے گا۔ اپنی قوم کے ہدایت پانے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور نہ ان کی آئندہ نسل سے کوئی توقع رہی کہ وہ راہ راست پر آئے گی بلکہ یہ اندیشہ قوی ہوتا گیا کہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنیں گے تو کمال حسرت سے عرض کیا کہ پروردگار! اب زمین پر کسی کافر کو رہنے بسنے کا موقع نہ دیجئے۔ ایسا نہ ہوگا تو وہ آپ کے ہدایت یافتہ بندوں کو گمراہ کر کے چھوڑینگے اور ان کی آنے والی نسل ان سے بڑھ کر بے حیا اور ڈھیٹھ ہوگی۔ اور ان کا انکار حد سے سوا ہوگا۔ ایسے ڈھیٹھ منکروں کو زمین پر رہنے بسنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی حسرت

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں :۔
لوگوں میں سے کسی کو اتنی حسرت نہیں ہوئی جتنی کہ
حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کو ہوئی۔ حضرت آدمؑ کو حسرت اسوقت ہوئی جبکہ آپ جنت سے
باہر تشریف لائے۔ اور حضرت نوحؑ کو حسرت اسوقت ہوئی جبکہ آپنے اپنی قوم پر بددعا کی۔ اس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ڈوبنے سے بچ نہ سکی بجز ان کے جو کشتی میں آپ کیساتھ تھے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے
حضرت نوح کے اس ملال کے مد نظر آپکے ہاں وحی بھیجی کہ نوح! آپ ملول نہ ہوں کیونکہ آپکی دعا ہماری تقدیر ازلی
کے عین مطابق تھی"۔ (ابن عساکر) یعنی ہمارا فیصلہ ازل سے یہی تھا جو آپکی بددعا کی صورت میں اسوقت رونما ہوا۔

حضرت نوحؑ کی دعا

حضرت نوحؑ نے اپنی اس بددعا پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ جو لوگ ہدایت یافتہ
تھے ان کے حق میں التجا کی :۔ پروردگار میرے! مجھے بخش دیجئے یعنی تبلیغ نبوت رسالت میں کوئی کسر
رہ گئی یا کوئی کام منصب نبوت ورسالت کے شایاں مجھ سے ہو سکا تو اس کو معاف فرمایئے۔ نیز میرے والدین
(ماں باپ یا باپ دادا) کو بھی بخش دیجئے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ آپکے والدین ماجدین
صاحب ایمان تھے۔ والد ماجد کا نام ملک بن متوشلخ تھا جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور والدہ ماجدہ کا
نام سمحا بنت انوش تھا۔ نیز ان تمام لوگوں کو بخش دیجئے جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں
داخل ہوئے۔ بیتی کی تفسیر بیت (گھر) نیز مسجد اور سفینہ سے کی گئی ہے مطلب یہ کہ جو لوگ
میرے گھر میں یا مسجد میں یا جہاز میں بحالت ایمان داخل ہوئے ان کو بھی بخش دیجئے۔ نیز تمام اہل ایمان

مردوں اور تمام ایمان والی عورتوں کو خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں ماضی حال استقبال سب کو بخش دیجیے
رہے ظالم یعنی کافر انکی بربادی اور تباہی میں اضافہ ہی ہوتا ہے"۔ اسمیں کفار مکہ کو یہ نصیحت مقصود ہے کہ قوم
نوح کی تباہی سے سبق لیں اور حضور انور کا اتباع کریں ورنہ اندیشہ ہے کہ جو حشر قوم نوح کا ہوا کہیں انکا بھی نہو۔

حضرت نوح کی دعا کی مقبولیت حضرت نوح علیہ السلام کی بد دعا کا قبول ہوتا تو عالم آشکار ہے کہ یادگار
طوفان کی شکل میں ظاہر ہوا یہ واقعہ صفحات تاریخ کے علاوہ زبان زد خاص و عام ہے۔ اسی سے یہ امید بلکہ یقین
کامل ہے کہ مغفرت کیلئے بھی دعائے خاصہ و عامہ جو آپ نے فرمائی جس میں ہم امت مرحومہ کے مومنین و مومنات بھی
شامل ہیں ضرور محل اجابت میں پہنچ چکی ہے۔ جس سے حضرات انبیا علیہم السلام کی وسعت قلبی کا انداز
کیا جا سکتا ہے۔ علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام خصوصاً علی نوح فی العالمین۔

دعا بنا بریں اس **فقیر** حقیر کی دعا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے رسل اولوالعزم
نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل سے نیز حضرت نوح علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے
بموجب ہم عاصیوں کو نیز ہمارے والدین اعزہ واقربا احبا کو خصوصاً اور تمام مومنین و مومنات
کو عموماً دنیا و آخرت میں شاد کام فائز المرام رکھے آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر
خلقہ سیدنا و مولٰنا محمد علی آلہ و اصحابہ ازواجہ ذریاتہ واولیاء امتہ و علماء ملتہ واتباعہم اجمعین والحمد للہ رب العالمین

سورۂ نوح کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد۔

(۱۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۷ھ روز یکشنبہ)